فریضہ جہاد ۔ حکمت اور مقاصد

سید قطب شہیدؒ

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (البقرہ ۲:۲۵۶)

دین میں کوئی جبر نہیں۔ ہدایت اور گمراہی واضح اور ایک دوسرے سے ممتاز ہو چکی ہیں۔

اس اصول میں اللہ کی طرف سے انسان کا اعزاز اور اس کے ارادے‘ فکر اور احساسات کا احترام ہے۔ عقیدے اور ہدایت و گمراہی کے امور میں اس کے معاملے کو بالکلیہ اس کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے اور اس کے اعمال اور نفس کے محاسبے کی ذمہ داری خود اس کے سر ڈالی گئی ہے۔ یہ انسانی آزادی کی اہم ترین خصوصیت ہے۔ لیکن بیسویں صدی میں بھی ظالم و جابر مسالک اور انسانیت کی تذلیل کرنے والے نظام اور قوانین انسان کو اس بات کی آزادی نہیں دیتے کہ وہ زندگی کے تصور اور اس کے نظم کے سلسلے میں کوئی رویہ اپنے ضمیر کے فیصلے کے مطابق اپنا سکے اور اس مسلک سے انحراف و اختلاف کر سکے جو حکومت اپنے ذرائع نشرواشاعت‘ وسائل تعلیم اور پھر اپنے قوانین اور ضوابط کے ذریعے انسانوں پر مسلط کرتی ہے۔ اس صورت میں لوگوں کے سامنے صرف دو راستے رہ جاتے ہیں‘ یا تو وہ حکومت کا مسلک اختیار کریں اور اس کے نتیجے میں خدا پر --- جو کائنات کا مالک و متصرف ہے--- ایمان سے محروم ہو جائیں یا موت کا‘ جو مختلف طریقوں سے ان پر ٹھونسی جاتی ہے‘ استقبال کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

عقیدے کی آزادی انسان کا اولین حق ہے۔ اسی سے اس کی انسانیت ثابت ہوتی ہے۔ جو شخص انسان سے اس کے عقیدے کی آزادی سلب کرلیتا ہے وہ اس سے اس کی انسانیت سلب کر لیتا ہے۔ عقیدے کی آزادی کے ساتھ عقیدے کی طرف دعوت کی آزادی اور اس راہ میں اذیتوں اور فتنوں سے محفوظ و مامون ہونا بھی ضروری ہے ورنہ یہ نام کی آزادی ہے جس کا عملی زندگی میں کوئی مفہوم نہیں۔

اسلام بلاشک و شبہ کائنات اور زندگی کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور انسانی معاشرے کے لیے موزوں ترین نظام حیات ہے مگر وہ بہ بانگ دہل اعلان کرتا ہے: لا اکراہ فی الدین ”دین میں کوئی جبر نہیں“۔ وہ دوسروں سے قبل اپنے ماننے والوں کو آگاہ کرتا ہے کہ اس دین کے لیے لوگوں کو مجبور کرنا ان کے لیے ممنوع

ہے۔ پھر ان ناقص اور ظالمانہ نظام ہائے زندگی کو، جو اقتدار کی طاقت کے بل پر انسانوں پر مسلط ہو جاتے ہیں اور اپنے مخالفین کو زندہ رہنے کا حق بھی نہیں دیتے، جبرو اکراہ کا کیا حق ہے۔

لا اکراہ فی الدین میں مطلق اور کامل نفی ہے۔ علمائے نحو کی اصطلاح میں نفی جنس، یعنی جنس اکراہ کی نفی، اس بات کی نفی کہ اکراہ پایا جائے۔ یہ نفی عالم وجود اور عالم واقعہ میں جبرو اکراہ کو مستبعد بنا دیتی ہے۔ اس طرح اس جملے میں جبرو اکراہ کی صرف ممانعت نہیں ہے، نہی ہے۔جب نفی، نفی جنس کی صورت میں ہو تو اس میں زیادہ تاکید اور زیادہ گہرائی ہوتی ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لا اکراہ فی الدین، کے اصول پر اس پس منظر میں کچھ گفتگو کر لیں کہ اس اصول کے ساتھ اسلام نے جہاد بھی فرض کیا ہے اور مختلف جنگوں میں حصہ بھی لیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرہ ۲: ۱۹۳)

ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔

کچھ متعصب دشمنان اسلام اس معاملے میں اسلام پر تضاد کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک طرف اسلام تلوار اٹھانے کا حکم دیتا ہے اور دوسری طرف اسی لمحے لا اکراہ فی الدین کا اصول بیان کرتا ہے (یہ تضاد نہیں تو اور کیا ہے!)۔ انھی میں کے کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اس بات کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ وہ اسلام پر سے اس اعتراض کو رفع کرنا چاہتے ہیں مگر فی الحقیقت پوری خباثت کے ساتھ ان کی کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں میں روح جہاد سرد پڑ جائے اور اسلام کی تاریخ، اس کے قیام اور دنیا میں اس کے پھیلنے کے سلسلے میں جہاد کا جو کردار ہے، اسے گھٹا دیا جائے۔ یہ لوگ پرفریب، پرپیچ اور خوب صورت انداز میں مسلمانوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ آج --- اور آج ہی نہیں، کل بھی --- جہاد کے ہتھیار کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے!--- اور یہ سب کچھ وہ اس انداز میں کرتے ہیں، گویا وہ اسلام کے خلاف لگائے جانے والے الزامات کو رفع کر رہے ہوں۔

مستشرقین میں سے یہ دونوں قسم کے لوگ دراصل اسلام سے جنگ کے ایک ہی میدان میں کام کرتے ہیں۔ وہ اسلامی نظام حیات میں تحریف کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اسلام کی موثر تعلیمات کو، جو مسلمانوں کے احساسات پر اثرانداز ہوتی ہیں، قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ روح جہاد کے --- جس کے سامنے وہ کسی میدان میں ٹھہر نہیں سکے --- بیدار ہونے کے خطرے سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔ چنانچہ وہ اب بے خوف اور مطمئن ہیں۔ انھوں نے مختلف ذرائع و وسائل اختیار کر کے روح جہاد کو مقید اور مردہ کر دیا ہے، انھوں نے اس روح کو ختم کرنے کے لیے ہر جگہ کاری اور مہلک ضربیں لگائی ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کے

دلوں میں یہ خیال القا کیا ہے کہ استعماری طاقتوں اور ان کے اپنے اہل وطن کے مابین عقیدے کی جنگ بالکل نہیں ہے۔ یہ تو صرف منڈیوں، خام مال اور فوجی مراکز و اہم مقامات کی جنگ ہے اور بس۔ اس لیے جہاد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے تلوار اٹھائی ہے۔ اس نے اپنی طویل تاریخ میں مدافعانہ جنگیں بھی کی ہیں اور جہاد بھی کیا ہے۔ لیکن اس نے یہ سب کچھ اس لیے نہیں کیا کہ کسی شخص کو اسلام لانے کے لیے مجبور کیا جائے۔ اس کے کچھ دوسرے ہی اغراض و مقاصد تھے جو جہاد کے متقاضی تھے۔

عقیدے کی حفاظت

اسلام نے جہاد کا حکم اس لیے دیا اور مسلمانوں نے جہاد اس لیے کیا کہ اہل ایمان کو ان ایذا رسانیوں اور فتنوں سے بچایا جائے جن کا وہ شکار تھے اور ان کی جان، مال اور عقیدے کے تحفظ کی ضمانت ہو۔ اس عظیم اصول کو قرآن نے اسی سورت میں اس طرح بیان کیا ہے:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ ۲:۱۹۱)

فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔

اس ارشاد خداوندی میں عقیدے پر دست درازی، اس کے سبب ایذا رسانی اور اس کے ماننے والوں کو اس سے زبردستی ہٹانے کی کوشش کو انسانی زندگی پر دست درازی سے زیادہ شدید قرار دیا گیا ہے۔ اس عظیم اصول کی رو سے عقیدہ زندگی سے زیادہ قیمتی ہے۔ جب مومن کو اپنی جان و مال کے تحفظ اور مدافعت کے لیے جنگ کی اجازت ہے تو بدرجہ اولیٰ اسے اس بات کی بھی اجازت ہے کہ وہ اپنے عقیدے اور اپنے دین کے تحفظ اور مدافعت کے لیے جنگ کرے۔ یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں کو بہ زور ان کے دین سے ہٹایا جا رہا تھا اور ان کے عقیدے کے باعث انھیں اذیتیں دی جا رہی تھیں اور اس کے سوا ان کے لیے چارۂ کار نہ تھا کہ وہ اس فتنے کے ازالے کے لیے اپنی عزیز ترین متاع قربان کر دیں۔ مسلمانوں کو ان کے عقیدے سے ہٹانے اور ان کے عقیدے کی وجہ سے انھیں اذیتیں پہنچانے کا عمل زمین کے مختلف خطوں میں برابر جاری رہا ہے۔ اندلس (اسپین) میں مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانے کے لیے بدترین وحشیانہ تعذیب کا نشانہ بنایا گیا اور ان کا اجتماعی قتل عام ہوا۔ یہی سلوک دوسرے مسیحی ملکوں کے متبعین کے ساتھ بھی کیا گیا تاکہ وہ کیتھولک بن جائیں۔ چنانچہ اسپین میں اب اسلام کا نام و نشان نہیں ہے اور نہ کیتھولک عقیدے کے سوا اور کوئی مسیحی عقیدہ و مسلک باقی ہے۔ اسی طرح بیت المقدس اور اس کے آس پاس کا علاقہ بدترین صلیبی حملوں کا تختہ مشق بنا۔ عیسائیوں کے یہ حملے اسلامی عقیدے کے خلاف اور اسلام کو ختم کرنے ہی کے لیے تھے۔ اور مسلمانوں نے اس علاقے میں ان سے جو جنگیں کیں، وہ صرف عقیدے کے تحفظ کے لیے،

عقیدے کے پرچم کے تحت تھیں۔ وہ ان جنگوں میں غالب و کامران ہوئے اور انھوں نے اس علاقے کو اندلس کے دردناک انجام سے بچا لیا۔ اس صورت حال سے مسلمان زمین کے اطراف و جوانب میں اشتراکیوں، بت پرستوں، صیہونیوں اور مسیحیوں کے علاقوں میں دوچار ہیں۔ اس فتنے کے استیصال کے لیے ضروری ہو گا کہ مسلمان جہاد کریں بشرطیکہ وہ سچ مچ مسلمان ہوں۔

دعوت کے لیے آزادی

اسلام میں جہاد کا دوسرا مقصد عقیدے کی آزادی کے بعد دعوت کی آزادی کا حصول ہے۔ اسلام کائنات اور زندگی کا کامل ترین تصور اور زندگی کے ارتقا کے لیے سب سے زیادہ ترقی یافتہ نظام لے کر آیا ہے۔ وہ اس "خیر کثیر" کو لے کر آیا ہے تاکہ اسے کل نوع انسانی اور سب انسانوں کے کانوں اور دلوں تک پہنچا دے۔ حق کی وضاحت اور تبلیغ کے بعد جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کر دے، کیونکہ **لا اکراہ فی الدین**۔ لیکن اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس "خیر کثیر" کو جو اللہ کے پاس سے سب انسانوں کے لیے آیا ہے، سب انسانوں تک پہنچانے کی راہ کے موانع کو دور کیا جائے تاکہ لوگ کسی رکاوٹ کے بغیر حق کی دعوت کو سنیں۔ اس کے سلسلے میں اطمینان حاصل کریں اور اگر چاہیں تو کاروان ہدایت میں شامل ہو جائیں۔ ان موانع میں ایک اہم مانع خدا سے باغی اور ظالمانہ نظام ہائے حیات ہیں جو حق کی دعوت کے سننے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور جو لوگ ہدایت پا جاتے ہیں، انھیں راہ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلام میں جہاد اس لیے ہے کہ ان باغی اور ظالمانہ نظام ہائے زندگی کا استیصال ہو اور ان کی جگہ وہ منصفانہ نظام قائم ہو، جو ہر جگہ دعوت حق اور داعیان حق کی آزادی کا ضامن ہو۔ یہ مقصد اور یہ ہدف ہمیشہ موجود رہے گا اور اس ہدف تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان جہاد کریں، بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں۔

اسلامی نظام کا قیام

اسلام میں جہاد کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ اسلام کا اپنا مخصوص نظام قائم ہو اور اس کا تحفظ ہو۔ اسلام دنیا کا واحد نظام ہے جو دوسرے انسان کے مقابلے میں انسان کی آزادی کا تحفظ کرتا ہے۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ بندگی و غلامی صرف اللہ کے لیے ہے، جو بلند و برتر ہے۔ وہ زمین میں انسان کے لیے انسان کی غلامی کی تمام صورتوں کا خاتمہ کرتا ہے۔ اسلام کی رو سے کسی فرد، کسی طبقے، کسی گروہ اور کسی قوم کو انسانوں کے لیے قانون سازی اور قانون سازی کی راہ سے انھیں ذلیل و خوار کرنے کا حق نہیں ہے۔ سب انسانوں کا ایک ہی رب ہے اور وہی ان سب کے لیے قانون بناتا ہے۔ سب انسان اطاعت و نیازمندی کے ساتھ اسی کی طرف رخ کرتے ہیں جس طرح کہ ایمان اور عبادت کے لیے ان کا رخ تنہا اسی کی طرف ہوتا ہے۔ اس نظام میں کسی انسان کے لیے اطاعت نہیں ہے، الا یہ کہ وہ شریعت الٰہی کو نافذ کرنے والا ہو اور مسلم جماعت کی طرف

سے شریعت کے نفاذ کی ذمہ داری اس پر ڈالی گئی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ قانون سازی انسان کا حق نہیں' صرف خدا کا حق ہے اور یہ انسانی زندگی میں خدا کی خدائی کا مظہر ہے۔ اس لیے کسی انسان کو قانون سازی کرنے اور بندہ ہوتے ہوئے الوہیت کے مقام کے مدعی ہونے کا حق نہیں ہے۔

یہ اس خدائی نظام کا' جو اسلام لایا ہے' بنیادی اصول ہے۔ اسی اصول پر اسلام کا پاکیزہ اخلاقی نظام قائم ہوتا ہے' جو ہر انسان کے لیے آزادی کا ضامن ہے۔ یہاں تک کہ ان کے لیے بھی جنھوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ اس نظام میں ہر شخص کی تمام حرمتوں کا تحفظ ہوتا ہے یہاں تک کہ ان کی حرمتوں کا تحفظ بھی ہوتا ہے جو اسلام کو اختیار نہیں کرتے۔ اس نظام میں ہر اس شخص کے' جو اسلامی وطن میں رہتا ہو' تمام حقوق محفوظ ہوتے ہیں' خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس نظام میں کسی شخص کو اسلامی عقیدہ قبول کرنے یا اسلام کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ صرف اسلام کی تبلیغ کی جاتی ہے۔

اسلام نے جہاد اس لیے کیا تاکہ یہ بلند و برتر نظام زمین میں قائم ہو اور اس کا تحفظ ہو۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ طاغوتی نظاموں کو ـــــ جو انسان کے لیے انسان کی بندگی کے اصول پر قائم ہیں' جن میں بندے خدائی کے مقام کے مدعی ہوتے ہیں اور کسی حق کے بغیر وہ عملاً بندوں پر خدائی کرتے ہیں ـــــ ختم کرنے کے لیے جہاد ہو۔ یہ بھی ایک ناگزیر امر ہے کہ یہ طاغوتی نظام ساری زمین میں اسلام سے دشمنی کا اعلان کریں اور اس کی مخالفت و مقاومت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اسی طرح یہ بات بھی ناگزیر ہے کہ اسلام ان نظاموں کو مٹائے تاکہ ان کی جگہ وہ اپنے بلند و برتر نظام کو زمین میں قائم کر سکے۔ اس کے بعد لوگوں کو یہ آزادی ہو کہ وہ اسلامی نظام کے سائے میں رہتے ہوئے جو عقیدہ چاہیں' رکھیں۔ ان کے لیے صرف اتنی بات ضروری ہے کہ وہ اسلام کے اجتماعی' اخلاقی' اقتصادی اور سیاسی قوانین کی پابندی کریں اور بس۔ رہا قلبی عقیدہ تو وہ اس کے سلسلے میں آزاد ہیں۔ اسی طرح انھیں اس بات کی بھی آزادی ہو گی کہ وہ اپنے شخصی معاملات میں اپنے عقیدے کے مطابق عمل کریں۔ اسلامی نظام ان کا سرپرست ہو گا۔ وہ ان کی اور ان کے عقیدے کی آزادی اور ان کے حقوق اور ان کی حرمتوں کا تحفظ کرے گا۔

اس بلند و برتر نظام کی اقامت کے لیے جہاد ہمیشہ مسلمانوں پر فرض رہے گا: حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرہ ۲:۱۹۳) "یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے"۔ یعنی زمین میں بندوں کے لیے اللہ کے سوا کسی کی خدائی اور کسی کی اطاعت نہ رہ جائے۔

مختصر یہ کہ اسلام نے تلوار اس لیے نہیں اٹھائی کہ لوگوں کو اسلامی عقیدہ قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اور نہ اسلام اس مفہوم میں تلوار سے پھیلا ہے' جیسا کہ بعض دشمنان اسلام اس طرح کا الزام لگاتے ہیں۔ اسلام میں جہاد اس لیے ہے کہ ایک پرامن نظام قائم ہو' جس کے سائے میں تمام عقیدوں کے ماننے والوں کو

امن و امان حاصل ہو۔ وہ اس کے دائرہ اقتدار میں اس کے اقتدار کے مطیع و فرماں بردار بن کر رہیں۔ اگرچہ انھوں نے اس کا عقیدہ قبول نہ کیا ہو۔

اسلام کی بقا' دنیا میں اس کے پھیلنے' اہل اسلام کے اپنے عقیدے پر مطمئن ہونے اور ان لوگوں کے اطمینان کے لیے' جو اسلام کو قبول کرنا چاہیں' اور اس صالح نظام کے قیام اور اس کے تحفظ کے لیے اسلام کی طاقت ناگزیر ہے۔ اسی لیے جہاد کی اہمیت کسی طرح کم نہیں ہے' نہ آج کے دور یا مستقبل میں اس کی ضرورت ختم ہو گئی ہے جیسا کہ اسلام کے دشمن مسلمانوں کو باور کرانا چاہتے ہیں۔

قوت ناگزیر ہے

اسلام کے لیے نظام ناگزیر ہے۔ اسلام کے لیے قوت ناگزیر ہے۔ اسلام کے لیے جہاد ناگزیر ہے۔ یہ اسلام کی عین فطرت ہے جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ دنیا کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ' یقیناً یہ اسلامی تعلیم ہے لیکن اسلامی تعلیم یہ بھی ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال ۸:۶۰)

جہاں تک تمھارے بس میں ہو ان (دشمنوں) کے مقابلے کے لیے قوت اور جنگی گھوڑے تیار رکھو' جن کے ذریعے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسرے (دشمنوں) کو ڈراؤ جنھیں تم نہیں جانتے' اللہ جانتا ہے۔

یہ ہے اسلام کی نظر میں اس معاملے کی اصل حیثیت اور مسلمانوں کو اپنے دین اور اپنی تاریخ کی حقیقت کو اسی طرح سمجھنا چاہیے۔ انھیں اپنے دین کے سلسلے میں اس شخص کا موقف اختیار نہیں کرنا چاہیے جو اسلام پر الزام لگا کر پھر اس کا دفاع کرتا ہے۔ انھیں ہمیشہ اس شخص کا موقف اختیار کرنا چاہیے جسے اپنے اصولوں پر اطمینان و وثوق ہے اور جو زمین کے تمام تصورات' تمام نظاموں اور تمام مسلکوں پر اپنے تصورات' اپنے نظام اور اپنے مسلک کی برتری پر یقین رکھتا ہے۔ انھیں ان لوگوں سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے جو ان کے دین کی مدافعت کا مظاہرہ کرتے ہیں مگر وہ ان کے دلوں کو جذبہ جہاد سے خالی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ جہاد ظالم و سرکش باطل کی طاقت کو توڑنے کے لیے ہے۔ جہاد اس لیے ہے کہ کل نوع انسانی اس خیر سے متمتع ہو' جسے اسلام لے کر آیا ہے اور جو شخص اس خیر سے انسانیت کو محروم کرتا ہے' وہ عظیم ترین جرم کا مرتکب اور انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اگر انسانیت کے پاس عقل و فہم ہوتی تو اسے اس دشمن انسانیت کا قلع قمع کرنا چاہیے تھا۔ بہرحال یہ اہل ایمان کا' جنھیں اللہ نے چنا ہے اور نعمت ایمان سے مالا مال کیا ہے' فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی طاقت کو ختم کر دیں۔ یہ ان پر خود ان کی اپنی ذات کی اور تمام انسانیت کی طرف سے فریضہ ہے اور اس فریضے کے سلسلے میں وہ اللہ کے حضور جواب دہ ہیں۔

(فی ظلال القرآن' جلد اول' ص ۶۸۶-۶۹۳- ترجمہ: سید حامد علیؒ)